



اعراس مبارکہ

مفتی منیب الرحمن

عرس کا لفظ اس حدیث پاک سے ماخوذ ہے: ”(قبر میں سوال و جواب کے مرحلے سے گزر کر جو مومن سرخرو ہوگا، اس کے بارے میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے:)، پھر اُس کی قبر کو ستر ذراع تک کشادہ کر دیا جائے گا، قبر اس کے لیے روشن کر دی جائے گی اور اس سے کہا جائے گا: سو جاؤ، وہ (نور و سرور کے اس ماحول میں) کہے گا: میں اپنے گھر والوں کے پاس جانا چاہتا ہوں تاکہ انہیں اپنا حال بتاؤں، مگر نکیر کہیں گے: دہن کی طرح (سکون کے ساتھ) سو جا کہ (شب عروسی میں) خاندان میں اس کے محبوب ترین فرد (شوہر) کے سوا کوئی اُسے نہیں جگاتا، (وہ اسی طرح پُر سکون رہے گا) یہاں تک کہ (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ اُسے قبر سے اٹھائے گا، (ترمذی: 1071)۔“ چونکہ اللہ کے ولی کے بارے میں حسنِ عاقبت کا ہمیں ظن غالب ہوتا ہے، اس لیے ان کی یاد کے لیے جو محفل منعقد کی جاتی ہے، اُسے ”عرس“ کہتے ہیں، شب زفاف کو شبِ عروسی کہا جاتا ہے۔ قطعی طور پر کسی کے جنتی ہونے کے بارے میں اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا اس کے بتانے سے اس کے رسول مکرّم ﷺ جانتے ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کرام کو جنتی ہونے کی بشارتیں دیں، ان کا ذکر احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔

ہمارے ہاں اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کے ایام وصال پر اعراس منعقد کیے جاتے ہیں، ان کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اُن کی سیرت طیبہ بیان کی جائے تاکہ لوگ اس کی پیروی کریں اور انہیں اپنا مقتدی اور مشعلِ راہ بنائیں۔ جو حضرات اعراس کو بدعت قرار دیتے تھے، انہیں بھی اب ان کی اہمیت کا ادراک ہو گیا ہے، چنانچہ اپنے اکابر کے ایام وفات کے موقع پر اخبارات و جرائد میں مضامین لکھتے ہیں، ان کی یاد میں کنونشن اور کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں، جیسے مفتی محمود کنونشن، شیخ الہند کانفرنس، دارالعلوم دیوبند کا ڈیڑھ سو سالہ جشن، دارالعلوم کراچی کا پچاس سالہ جشن، مولانا مودودی کے صد سالہ یوم ولادت پر ترجمان القرآن کا خاص نمبر وغیرہ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کنونشن اور کانفرنس کی اصطلاح مغرب سے آئی ہے، جبکہ عرس کی اصطلاح حدیث پاک سے ماخوذ ہے۔ اہلسنت بھی ان مجالس کو واجب یا سنت قرار نہیں دیتے، بلکہ مستحسن سمجھتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب بندوں کا ذکر پسند ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے: ”اور ان کو اللہ کے دنوں کی یاد دلاؤ، (ابراہیم: 5)“، مفسرین کرام نے لکھا ہے: ”ایام اللہ“ سے مراد وہ دن ہیں، جن میں گزشتہ امتوں بالخصوص بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں نازل ہوئیں اور رب تبارک و تعالیٰ نے انہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں، جیسے مَن و سلویٰ کا نزول، پتھر سے بارہ چشموں کا پھوٹنا، سمندر کا بنی اسرائیل کے لیے پھٹنا، بادلوں کا سایہ کرنا اور دیگر آیات الہیہ۔ لہذا جن ایام میں اللہ کی یاد تازہ ہو جائے، وہ سب ایام اللہ ہیں۔ حدیث پاک میں اولیائے کرام کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے: ”جب ان پر نظر پڑے تو اللہ یاد آ جائے، (مسند احمد: 27601)۔“

تصوّف روح وقلب کی پاکیزگی و بالیدگی سے عبارت ہے، اسی کو قرآن وحدیث میں ”تزکیہ“ سے تعبیر فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (۱): ”بے شک جس نے اپنا باطن صاف کر لیا، وہ کامیاب ہو گیا، پھر اپنے رب کو یاد کیا اور نماز پڑھتا رہا، (الاعلیٰ: 14-15)۔“ (۲) ”کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی پارسائی کا دعویٰ کرتے ہیں، بلکہ اللہ ہی جس کو چاہے پاک فرماتا ہے، (النساء: 49)۔“ (۳) ”سو تم اپنی پارسائی کا دعویٰ نہ کرو، اللہ متقین کو خوب جانتا ہے، (النجم: 32)۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے اللہ! تو میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا کر اور اُسے پاک فرما، کیونکہ تو ہی (نفس کو) بہتر پاک فرمانے والا ہے، (صحیح مسلم: 2722)۔“ الغرض تصوّف اسی تزکیہ، عرفان اور احسان کا نام ہے اور یہ شریعت کے مقابل نہیں بلکہ تابع شریعت ہے، امام احمد رضا قادری رَحِمَهُ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:

”شریعت اصل ہے اور طریقت اُس کی فرع، شریعت مُنْع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہوا دریا، طریقت کی جدائی شریعت سے محال و دشوار ہے، شریعت ہی پر طریقت کا دار و مدار ہے، شریعت ہی اصل کار اور محکم و معیار ہے، شریعت ہی وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے، اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا، اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور پڑے گا، طریقت اس راہ کا روشن ٹکڑا ہے، اس کا شریعت سے جدا ہونا محال ہے۔ طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے، شریعت مُطہرہ ہی کی اتباع کا صدقہ ہے، جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے، وہ حقیقت نہیں، بے دینی اور زندقہ ہے۔ آپ سے پوچھا گیا: ایک شخص شریعت کا عامل نہیں بلکہ احکام شریعت کا تارک ہے، اُس کا مواخذہ کیا جائے تو کہتا ہے: ”احکام شریعت تو ”وصول الی اللہ“ کا ذریعہ ہیں اور میں تو اصل ہو چکا ہوں، یعنی منزل حق پر پہنچ چکا ہوں، لہذا میں اب احکام کا مُکلف (پابند) نہیں ہوں۔“ انہوں نے امام الصوفیہ حضرت عبدالوہاب شعرانی اور سیّد الطائفہ جنید بغدادی رحمہما اللہ تعالیٰ کے حوالے سے بتایا: ہاں! واصل (پہنچا ہوا) تو ضرور ہے، مگر جہنم میں۔ مزید لکھتے ہیں: ”صوفیہ کرام فرماتے ہیں: بے علم صوفی شیطان کا مسخرہ ہے، وہ جانتا ہی نہیں کہ شیطان نے اُسے اپنی راہ پر لگا رکھا ہے۔“

ہمارے ہاں سال میں شاید ایک دن بھی ایسا نہ آتا ہو کہ کہیں نہ کہیں کسی بزرگ کا عرس نہ منایا جا رہا ہو، لیکن بیشتر اعراس مبارکہ اپنے مقصد سے دور ہیں اور بعض صورتوں میں مقصد کی ضد ہیں۔ بیشتر مزارات کے سجادہ نشین اپنے بزرگوں کی تعلیمات کے برعکس نظر آئیں گے، باطن کا حال تو اللہ جانے، ظاہر بھی شریعت کے مطابق نہیں ہوتا۔ پیشہ ورو عظیمین، نقیب اور نعت خواں ان کی شان بیان کرنے میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں، تعریف میں حد سے زیادہ مبالغہ کرتے ہیں، ان کا کام بس نذرانے کے عنوان سے فیس لے کر مارکیٹنگ کرنا، جو ہر خطابت کے ذریعے لوگوں کو حیرت عقیدت میں مبتلا کرنا اور ذہنی سرور عطا کرنا ہوتا ہے۔ نہ وہاں دینی تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام ہوتا ہے، نہ ہی بدعات و منکرات اور خرافات پر روک ٹوک ہوتی ہے، بس ایک آوارگی اور بے راہ روی کا سماں ہوتا ہے۔ اور تو چھوڑے! نہ نماز کی تلقین کی جاتی ہے اور نہ سادہ لوح لوگوں کو نماز سکھائی جاتی ہے، نہ دین کے دوسرے ضروری مسائل بتائے جاتے ہیں۔ کیونکہ صاحب سجادہ کو یہ باتیں مطلوب ہی نہیں ہیں، اس لیے کہ لوگوں کے ذہنوں پر جو عقیدت جاہلانہ کے پردے پڑے ہوئے ہیں، اگر وہ اٹھ گئے، تو پھر لوگ صاحب سجادہ کو بھی شریعت کے معیار پر پرکھیں گے اور آئینہ عقیدت ریزہ ریزہ ہو کر رہ جائے گا۔

پس لازم ہے کہ اعراس مبارکہ کے مواقع پر دروازے سے آئے ہوئے لوگوں کی دینی تربیت کا اہتمام ہو، اُن کے حلقے بنائے جائیں اور اہل علم انہیں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے مسائل سہل اور احسن انداز میں سکھائیں، حقوق اللہ اور حقوق العباد سے آگاہ کریں۔ مزارات پر حاضری اور بزرگانِ دین کے ایصالِ ثواب کے لیے فاتحہ پڑھنے کے آداب بتائے جائیں، مزارات کے طواف سے منع کریں اور بتائیں کہ غیر اللہ کے لیے سجدہ عبادت شرک ہے اور شریعتِ مصطفویٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں مزار یا غیر اللہ کے آگے سجدہ تعظیمی حرام ہے۔ امام احمد رضا قادری سے مزارات کو بوسہ دینے کی بابت سوال ہوا، تو آپ نے لکھا: ”اس کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، لیکن عوام کے لیے شرعی احتیاط اسی میں ہے کہ انہیں منع کیا جائے۔“ اسی طرح یہ ضروری نہیں ہے کہ بزرگانِ دین کے ایصالِ ثواب کے لیے جو کھانا یا اشیاء دی جائیں، وہ مزار پر ہی جا کر دی جائیں، آپ جہاں کہیں بھی ہوں، ان کے لیے ایصالِ ثواب کا اہتمام کر سکتے ہیں۔

امام احمد رضا قادری سے سوال ہوا: ”ایک خاتون ہر سال گیارہویں شریف کی نیاز کرتی ہیں اور ڈیڑھ من چاول پکا کر غوثِ الاعظم کی ایصالِ ثواب کے لیے تقسیم کرتی ہیں، فلاں جگہ ایک دینی مدرسے میں مستحق طلبہ ہیں، اگر یہ رقم اُن پر خرچ کر دی جائے تو کیا گیارہویں شریف کی نیاز ہو جائے گی؟“ آپ نے جواب دیا: ”تم گیارہویں شریف کی نیاز کے جواز کی بات کرتے ہو، گیارہویں بھی ہو جائے گی اور چودہ سو گنا زیادہ اجر ملے گا، کیونکہ یہ صدقہ جاریہ ہوگا۔“ نوٹ: یہاں نیاز سے نذر شرعی مراد نہیں ہے، ایسی نذر صرف اللہ کے نام پر جائز ہے، یہاں نیاز عرفی معنی میں ہے: یعنی بزرگانِ دین کے لیے ایصالِ ثواب کرنا۔ مزار کے احترام کے لیے ایک چادر کافی ہے، مزید چادریں اسراف ہے، علماء نے غلاف کعبہ پر قیاس کرتے ہوئے مزار پر چادر کے جواز کی بات کی ہے اور غلاف کعبہ ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، یہ نہیں کہ ہر کوئی اپنی طرف سے کعبۃ اللہ کو ایک غلاف چڑھا دے۔ اس سے بہتر ہے کہ صاحبِ مزار کے ایصالِ ثواب کے لیے ضرورت مندوں کو لباس فراہم کیا جائے اور عزت نفس رکھنے والے غریبوں کو تلاش کر کے ان کے گھروں میں اشیاء ضرورت پہنچائی جائیں۔

علماء کو اعراس کی ایسی تقریبات میں شرکت نہیں کرنی چاہیے، جہاں دھمال اور رقص ہو، مردوزن کا مخلوط اجتماع ہو، مزار کے قرب و جوار میں چرس، ہیروئن اور افیون کے نشے باز لوگوں کے ٹھکانے ہوں۔ بعض مزارات پر عام طور پر ایسے لوگوں کا جم گھٹا لگا رہتا ہے، لیکن وہ ہندگانِ اغراض مزار سے متصل مسجد کی باجماعت نماز میں نظر نہیں آئیں گے، اِلَّا مَسَاءَ اللہ، یہ اولیائے کرام سے عقیدت کا کیسا مظہر ہے؟۔ اسی طرح جہاں رات گیارہ بجے سے اذانِ فجر تک محافلِ نعت چل رہی ہوں، لیکن یہ خود ساختہ عشقِ رسول کے دعویدار نہ نمازِ عشاء اور نہ نمازِ فجر میں نظر آتے ہیں، یہ کیسا عشقِ رسول ہے؟۔ عشقِ رسول تو اطاعتِ رسول پر آمادہ کرتا ہے اور اس کا حصول اتباعِ رسول کے جادۂ مستقیم پر چل کر ہی ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل پیشہ وردِ عظیمین اپنے سادہ لوح سامعین کے سامنے عقیدے اور عمل کا اس انداز سے تقابل کرتے ہیں کہ اعمالِ صالحہ بے توقیر اور بے مایا معلوم ہوتے ہیں۔ عقیدہ و ایمان تو جو ہر ہے، اساس ہے، منبع ہے اور اعمالِ صالحہ اس کی فرع، شاخیں اور ثمرات ہیں۔ ذرا سوچیے! آپ کو شجرِ ثمر دار اور سایہ دار اچھا لگے گا یا بے ثمر و بے سایہ، پس شجرِ ایمان کے اثمار اور برگ و بار اعمالِ صالحہ ہی تو ہیں، اسی لیے قرآنِ مجید میں سینکڑوں مقامات پر ایمان اور اعمالِ صالحہ کا ذکر ایک ساتھ فرمایا گیا ہے۔